10-12-2018

وزیرِ اعظم کا باوقار موقف

مفتی منیب الرحمٰن

وزیرِ اعظم پاکستان جناب عمران خان نے پہلے ''ٹویٹ فیم'' امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو ٹویٹر پر دوٹوک جواب دیا اور اس کے بعد ''واشنگٹن پوسٹ'' کو انٹرویو دیتے ہوئے افغانستان میں برپا جنگ کے حوالے سے اکیسویں صدی میں پہلی بار پاکستان کا جری، توانا اور باوقار موقف پیش کیا۔ نائن الیون کے بعد جنرل پرویز مشرف کے امریکا کے آگے سرنگوں ہونے کے وقت سے لے کر ہماری سماعتیں پاکستان کی قیادت کی جانب سے کسی ایسے موقف کو سننے کے لیے ترس رہی تھیں۔ اُنہوں نے کہا: ''ہم اب کرائے کے سپاہی بنیں گے، نہ بندوق، اب کسی کے آگے نہیں جھکیں گے، اب وہی ہوگا جو ہمارے مفاد میں ہوگا، افغانستان کا چالیس فیصد حصہ افغان حکومت کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اگر ہم نائن الیون کے بعد غیر جانبدار رہتے تو ہم اپنے آپ کو اُس تباہی سے بچا سکتے تھے جو دہشت گردی کے خلاف امریکی یا عالمی جنگ میں شمولیت کی وجہ سے پاکستان میں ہوئی، اب امریکا کو افغانستان میں قیامِ امن کے لیے ہماری مدد کی ضرورت ہے، پاکستان کی حدود میں ڈرون حملے بند کیے جائیں، امریکا سے برابری کی سطح پر چین جیسے تعلقات چاہتے ہیں''۔ وزیرِ اعظم سے سوال ہوا: آپ گزشتہ برسوں میں امریکا کے مخالف رہے ہیں، اُنہوں نے جواب دیا: ''اگر آپ امریکا کی پالیسیوں سے متفق نہیں ہیں، تو اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ آپ امریکا کے مخالف ہیں''۔ اُنہوں نے کہا: ''یہ کہنا سامراجی سوچ ہے کہ تم یا تو ہمارے دوست ہو یا دشمن''، کیونکہ اس کا واضح مطلب ہے کہ غیر جانب دار رہنے کا کوئی آپشن نہیں ہے۔ اُن سے سوال ہوا: ''کیا آپ چاہتے ہیں کہ امریکا سے پُر جوش تعلقات رہیں''، اُنہوں نے جواب دیا: ''سپر پاور سے دوستانہ تعلقات کون نہیں چاہتا''۔ یہ اُن کے اُن فرمودات کا وہ خلاصہ ہے، جو ہماری دلچسپی کا موضوع ہے۔

ہماری اصولِ فقہ میں عبارت کے منطوق (Spoken Words) کا ایک ''مفہوم مخالف'' ہوتا ہے، اُس کی رو سے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ پہلے ہم کرائے کے سپاہی اور بندوق کا کردار ادا کرتے رہے ہیں اور جن کی خاطر یہ کر رہے تھے وہ صلے اور انعام میں ہماری توہین و تحقیر کرتے رہے۔ یہ ہمارے علم میں نہیں ہے کہ ہم کب سے کب تک یہ کردار ادا کرتے رہے اور کب سے ہم نے اپنی سمتِ قبلہ کو اپنے ملک و ملّت کی ترجیحات کے مطابق درست کیا، یہ وہ یوٹرن ہے جو بلاشبہ باعثِ افتخار ہے۔

لیکن بصد ادب عرض ہے: ''ہنوز دِلّی دور است، یعنی منزل ابھی بہت دور ہے''۔ امریکہ ماضی میں صدر رچرڈ نکسن کے زمانے میں ویتنام کی جنگ سے نکلنے کے لیے مذاکرات کے کرب سے گزر چکا ہے، ہوچی منھ کی قیادت میں ویت کانگ کو امریکہ اپنا براہِ راست حریف ماننا اپنی توہین سمجھتا تھا، اس لیے پیرس میں مذاکرات کے آغاز سے پہلے کافی وقت اس میں صرف ہوا کہ مذاکرات کی میز کیسی ہو اور امریکہ کے مقابل کون بیٹھے، بالآخر کافی بحث وتمحیص کے بعد مستطیل (Rectangular) میز پر اتفاق ہوا۔ یہاں بھی تحریکِ طالبان افغانستان جناب اشرف غنی کی قیادت میں موجودہ افغان حکومت کو اپنا حریف نہیں سمجھتے، بلکہ وہ اُنہیں امریکہ کی کٹھ پتلی سمجھتے ہیں۔ پہلے امریکہ چاہتا تھا: طالبان اشرف غنی حکومت سے مذاکرات کریں، طالبان اس کے لیے تیار نہ تھے، کیونکہ یہ امریکہ کے

زیرِ تسلّط مرتّبہ دستور اور اُس کے تحت قائم حکومت کو تسلیم کرنے کے مترادف تھا۔ اب امریکہ اپنے بالادست مُوقِف سے نیچے آگیا ہے اور طالبان سے براہِ راست مذاکرات کرنے کے لیے تیار ہے، یہ طالبان کی علامتی کامیابی ہے۔ لیکن امریکہ کی خواہش یہی ہے کہ طالبان افغانستان کی موجودہ حکومت کو تسلیم کر کے اُس کا حصہ بنیں، اس کے برعکس طالبان کا موقف یہ ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی اپنا بوریا بستر سمیٹ کر افغانستان سے نکل جائیں، پھر افغان اپنے معاملات کو خود طے کرلیں گے، ظاہر ہے کہ یہ واضح طور پر اپنی شکست کو تسلیم کرنے کے مُترادف ہے اور سپر پاور کے لیے یہ کڑوی گولی نگلنا دشوار ہو رہا ہے۔ ایک طرف تو امریکہ مذاکرات میں تعاون کا طلب گار ہے، لیکن دوسری جانب حالیہ دنوں میں افغانستان میں بڑی کارروائیاں کی گئی ہیں، طالبان کے نام پر مُعتد بہ تعداد میں لوگوں کو موت سے ہمکنار کیا گیا ہے اور اس حقیقت کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ اُن میں کتنی تعداد میں طالبان کے جنگجو تھے اور کتنے عام شہریوں کو اپنے حقِ حیات سے محروم کیا گیا، اس لیے کہ طالبان اپنے لوگوں میں گھل مل کر رہتے ہوئے گوریلا کارروائیاں کرتے ہیں اور یہ امریکہ کا ایک بے شناخت (Unidentified) دشمن ہے، تباہ کُن اسلحے کے لیے یہ تمیز کرنا مشکل ہے کہ اُس کا ہدف درست ہے یا نہیں۔ ماضی میں مدارس کے بچوں کو بلا امتیاز مارا گیا، شادی اور جنازوں کی تقریبات پر بمباری کی گئی، اس سے افغان عوام میں امریکہ کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوتا ہے اور پاکستان کے لیے اس نفرت کا ازالہ ممکن نہیں۔ یہ تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان ہے کہ کنکر بھی صرف طے شدہ ہدف کو نشانہ بنائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (۱) ''فرشتوں نے کہا: اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں، یہ (سرکش) آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے، آپ رات کے ایک حصے میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہوجائیں اور آپ میں سے کوئی بھی مڑ کر نہ دیکھے، البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں، بے شک اس کو (بھی) وہی (عذاب) پہنچنے والا ہے، جو اُنہیں پہنچے گا، بے شک اُن (کے عذاب) کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے، کیا صبح قریب نہیں، سو جب ہمارا عذاب آپہنچا تو ہم نے اُس بستی کو تلپٹ کردیا اور ہم نے اس پر آگ میں پکی ہوئی مٹی کے پتھر لگاتار برسائے، جو آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے اور یہ سزا اُن ظالموں سے کچھ دور نہ تھی، (ہود:83)''۔ (۲) ''ابراہیم نے کہا: اے رسولو! تمہارا مقصد کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا: ہم مجرموں کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم اُن پر مٹی کے پتھر برسائیں، جو آپ کے رب کے نزدیک حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے نشان زدہ ہیں، (الذاریات:33-34)''۔ مُفسّرین کرام نے لکھا ہے کہ جو پتھر جس مجرم کے لیے اللہ کی طرف سے نشان زد (Guided) تھا، وہ اُسی کو جا کر لگتا، اللہ کے نشانے کے خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی بات مُفسّرین نے اَصحابِ فیل کے لیے لکھی ہے کہ پرندے اپنے دو پنجوں اور چونچ میں آگ میں پکی ہوئی مٹی کے پتھر کی کنکریاں لے کر آتے اور اُن پر برساتے اور ہر کنکر ٹھیک ٹھیک اپنے نشانے پر جا لگتا اور اُنہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنا دیتا۔

جناب وزیرِ اعظم نے کہا: ''اکثر پاکستانی یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تذلیل کی گئی ہے اور ہمیں ناقابلِ اعتبار قرار دیا گیا ہے''، نیز اُنہوں نے یہ بھی کہا: ''ہم بیک وقت آئی ایم ایف کی طرف جانے اور مُتبادل آپشن پر بھی غور کر رہے ہیں، گزشتہ تیس سال میں ہم سولہ بار آئی ایم ایف کے پاس جا چکے ہیں، لیکن اب اگر ہمیں جانا بھی پڑا، تو اس امر کو یقینی بنائیں گے کہ یہ آخری بار ہو''۔ یہ دعویٰ ماضی کی حکومتیں بھی کرتی رہی ہیں اور اس کا فیصلہ وقت کرے گا کہ موجودہ حکومت اپنے اس دعوے اور وعدے میں سُرخرو ہو پاتی ہے یا نہیں۔

ماضی میں سامراجی اور استعماری قوتیں ممالک کو فتح کرکے اپنے زیرِ تسلط رکھتی تھیں، لیکن دو عالمی جنگوں کے بعد یہ رُجحان (phenominon) تبدیل ہوگیا اور اب محکوم اور تابع ممالک جغرافیائی اور علامتی طور پر تو آزاد ہوتے ہیں، اُن کا اپنا کوئی نہ کوئی دستور اور نظامِ حکومت بھی ہوتا ہے، لیکن معاشی اعتبار سے بالا دست طاقتوں کے محتاج ہونے کی بنا پر وہ عملاً تابع ہی رہتے ہیں، اپنی پالیسیوں میں آزاد نہیں ہوتے اور یہ قوموں اور ملکوں کی غلامی کی جدید شکل ہے، جو امریکی استعمار نے تابع ممالک پر مُسلّط کر رکھی ہے، اقوامِ مُتحدہ اور اُس کے ذیلی ادارے، آئی ایم ایف، عالمی بینک اور ایشیائی ترقیاتی بینک امریکی پالیسی سے انحراف نہیں کرسکتے۔ وہ یک طرفہ طور پر اپنے معتوب اور مغضوب ممالک پر تجارتی پابندیاں عائد کرکے اُنہیں بے دست و پا کردیتا ہے، ایران کی مثال ہمارے سامنے ہے، الغرض امریکہ کے لیے ابھی کوئی توانا چیلنج درپیش نہیں ہے۔ چین اکیلے یا روس کے ساتھ مل کر کب امریکہ کے مقابل اور متوازی قوت بن پاتے ہیں، اس کے لیے مستقبل کا انتظار کرنا ہوگا۔

تقسیمِ ہند کے وقت کے قتل و غارت اور مظالم کو بھلا کر بھارتی سکھوں کے لیے یک طرفہ طور پر کرتار پور کی راہداری کھولنا خیر سگالی کی ایک اچھی علامت سہی، لیکن بھارت کی طرف اتنا جھکاؤ دکھانا کہ جیسے ہم اُس سے بہتر تعلقات کی بھیک مانگ رہے ہیں اور وہ شانِ بے اعتنائی سے ہماری مذاکرات کی پُر امن پیشکش کو جھٹک رہا ہے، اچھا نہیں معلوم ہوتا، نہ ہی مودی حکومت سے باہر کے سیاسی، سماجی، صحافتی اور ادبی حلقوں میں بڑے پیمانے پر اس کی پذیرائی ہو رہی ہے۔ ایک قومی اخبار کی خبر کے مطابق ایک بھارتی انتہا پسند جماعت نے پاکستان کا دورہ کرنے پر نوجوت سنگھ سدھو کو غدار قرار دے کر اُس کے سر کی قیمت ایک کروڑ روپے مقرر کی ہے اور ایک انتہا پسند ہندو نے کہا: اگر سدھو جی میرے شہر آگرہ آئے تو میں ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔ اگر ہمارے ہاں کسی بھارتی کے لیے کوئی بے نام سا انتہا پسند ایسے ریمارکس دے دیتا تو ہمارا میڈیا آسمان سر پہ اٹھا لیتا کہ گویا قیامت نازل ہوگئی، لیکن وہاں کے میڈیا پر اُس کی مذمت کے بارے میں کوئی توانا آواز نہیں اٹھی۔ وہائٹ ہاؤس کے ترجمان نے بھی اس راہداری کھولنے کا سرسری ساذکر کیا اور مغربی میڈیا نے بھی اسے غیر معمولی اہمیت نہیں دی۔



